شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتاب "لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح" کی روشنی میں کرامت کا مفہوم اور حقیقت

The Concept and Reality of Karama: Considering Sheikh Abdul Haq Muhaddith Dehlavi's Book "Lama'at al-Tanqeeh fi Sharh Mishkat al-Masabih"

Dr. Muhammad Yousuf
Research Associate,
Department of Islamic Thought,
History and Culture, AIOU, Islamabad
Email: muhammad.yousuf@aiou.edu.pk

ABSTRACT

This research article thoroughly explores the concept and reality of **Karamah** within Islamic theology, drawing specifically from Sheikh Abdul Haq Muhaddith Dehlavi's renowned book, "Lama'at al-Tanqih fi Sharh Mishkat al-Masabih." It defines Karamah as an extraordinary act that Allah manifests through a **Wali** (a pious servant), serving as a sign of their sainthood and spiritual proximity to Allah. The text clearly distinguishes between Karamah and a **Mu'jizah** (a miracle), with the latter being exclusive to prophets to prove their prophethood, while a Karamah is a divine gift for the saints. It is emphasized that Karamah occurs by Allah's will alone, not by the Wali's intention. According to the belief of **Ahl al-Sunnah wa'l-Jama'ah**, the reality of Karamah is substantiated by evidence from the Qur'an and authentic Hadith, including various accounts from the companions of the Prophet (ﷺ) that demonstrate these miraculous events as a manifestation of Allah's absolute power. The article also addresses and refutes the stance of deniers, such as the Mu'tazilah, by highlighting that their position contradicts the consensus of Ahl al-Sunnah. Ultimately, the article concludes that a saint's greatest Karamah is their steadfast adherence to the **Shari'ah** and their sincerity in worship, and that the occurrence of Karamah serves as a testament to the saint's truthfulness and profound connection with Allah.

Keywords: Divine gift, Karama, Miracles, Mu'jiza, powers, Spiritual Sufism, Sufism, Wali

اسلامی عقائد میں **کرامت** سے مراد ایک غیر معمولی واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک اور صالح بندے، جسے ولی کہا جاتا ہے، کے ذریعے ظاہر فرماتا ہے۔ یہ واقعہ اس ولی کے تقویٰ اور اللہ سے اس کے قرب کی نشانی ہوتا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی کتاب **"لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح"** میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کرامت اور معجزہ میں واضح فرق بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ **معجزہ** صرف نبیوں کے لیے ہوتا ہے اور اس کا مقصد نبوت کی سچائی ثابت کرنا ہے، جبکہ **کرامت** اولیاء کے لیے ہوتی ہے اور یہ ولایت کا ایک عطیہ ہے۔ کرامت کا ظہور صرف اللہ کی قدرت اور ارادے سے ہوتا ہے، اور ولی اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ محدث دہلوی کے مطابق، اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ کرامت ایک حقیقی اور ثابت شدہ چیز ہے، جس کے ثبوت قرآن (مثلاً اصحاب کہف اور حضرت مریمؑ کے واقعات) اور احادیث میں موجود ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ خارق العادہ واقعات قوانینِ قدرت کی خلاف ورزی نہیں بلکہ اللہ کی مطلق قدرت کا مظہر ہیں۔ تاہم، وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ کسی ولی کی سب سے بڑی کرامت اس کی شریعت پر ثابت قدمی اور اللہ کی اطاعت ہے۔ جو لوگ کرامت کا انکار کرتے ہیں، وہ اہلسنت کے اجماع کے خلاف جاتے ہیں۔

کرامت کا ثبوت

کرامت اور معجزہ کا لفظ غیر معمولی کام کے صادر ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے نبی، پیغمبروں ور رسولوں سے جو غیر معمولی واقعات رُونما ہوتے ہیں، انہیں معجزہ کہا جاتا ہے، اسی طرح جو غیر معمولی کام اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے نیک بندوں سے صادر ہوتے ہیں، انہیں کرامت کہا جاتا ہے۔

کرامت کا معنٰی و مفہوم

لغوی اعتبار سے کرامت عزت اور شرافت کو کہتے ہیں۔ جب کہ اصطلاح میں کرامت کا لفظ اس عمل پر بولا جاتا ہے جو کسی نیک بندے سے صادر ہو اور وہ کام خلافِ عادت ہو۔ عام طور پر اس جیسے کام واقع نہ ہوتے ہوں۔

عبد الكريم بن هوازن القشيري رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **الرسالة القشيرية** میں فرماتے ہیں کہ:

«ظهور الكرامات عَلَى الأولياء جائز والدليل عَلى جوازه أَنَّهُ أمر موهوم حدوثه فِي العقل لا يؤدي حصوله إِلَى رفع أصل من الأصول فواجب وصفه سبحانه بالقدرة عَلَى إيجاده وإذا وجب كونه مقدورا لِلَّهِ سبحانه فلا شَيْء يمنع جواز حصوله»[1]

اُستاذ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام سے کسی کرامت کا ظہور ہونا جائز ہے اور اس کے جائز

ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا امر ہے جو عقل میں آتا ہے۔ اور اس سے شرعی ضابطوں میں کوئی ضابطہ نہیں ٹوٹتا۔ لہٰذا اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا اس کے ایجاد پر قادر ہونے کے وصف سے موصوف ہونا لازم ہے۔ اور جب یہ امر لازم ہے کہ یہ تمام اُمور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی قدرت میں سے ہیں، تو اس کے حصول کے جواز میں کوئی چیز روکاوٹ نہیں ہے۔

اَولیاء سے کسی کرامت کا ظہور اس بات کی نشاندہی مانی جاتی ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو رہی ہے وہ اپنے صوفیانہ اَحوال میں حق پر ہے۔ اس میدان میں کسی جھوٹے شخص سے کسی بھی قسم کی کرامت کا ظہور ممکن نہیں ہے۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سچے اور جھوٹے کی پہچان کے لیے سچے شخص سے معقول اور جھوٹ سے پاک ایسے امر کو سرزد کرواتا ہے جو کہ جھوٹے سے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ یہ کرامت ایسا فعل ہو جو دنیا میں عام عادت کے خلاف ہو اور ایسے شخص سے صادر ہو جو ولایت کے ساتھ موصوف ہو تا کہ اس کی حالت سے اس کی تصدیق ہو سکے۔

قرآن مجید میں کرامت کا ذکر

قرآن مجید میں لفظِ کرامت کس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے؟ سورۃ الحجرات میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[2]

اس آیت میں ﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوگا وہی کرامت والا ہوگا۔

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا فرمان:

﴿ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾ [3]

کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے، اس نے کہا کہ میں آپ کے پاس یہ تخت پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا، اور جب سلمان عَلَیْہِ السَّلَام نے اس تخت کو اپنے پاس دیکھا تو فرمایا کہ یہ سب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے فضل سے ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی متقی شخص سے خلافِ عادت کسی فعل کا صدور ہو تو وہ فعل کرامت کہلائے گا۔

مشکاۃ المصابیح میں باب الکرامات

بابِ کرامت کے تحت تین فصلیں شامل ہیں، جن میں مجموعی طور پر گیارہ (11) احادیث بیان کی گئی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامات میں سے ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جب اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے واپس جارہے تھے تو ان کی لاٹھیوں سے روشنی ظاہر ہوئی، جس کی مدد سے وہ اپنے اپنے گھروں تک پہنچے۔ اس واقعے میں ایک صحابی کی لاٹھی پہلے روشن ہوئی، پھر جب راستہ جدا ہوا تو دوسرے صحابی کی لاٹھی بھی جگمگانے لگی، اور یوں دونوں اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں منزل پر پہنچ گئے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری سمیت معتبر کتب حدیث میں مذکور ہے اور اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامت قرار دیا گیا ہے یہی واقعہ باب **الکرامت** کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے:

عَن أَنس أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَعَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ تَحَدَّثَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَاجَةٍ لَهُمَا حَتَّى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ فِي لَيْلَةٍ شَدِيدَةِ الظُّلْمَةِ ثُمَّ خَرَجَا مِنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ينقلبان وبيد كل مِنْهُمَا عُصَيَّةٌ فَأَضَاءَتْ عصى أَحَدِهِمَا لَهُمَا حَتَّى مَشَيَا فِي ضَوْئِهَا حَتَّى إِذَا افْتَرَقَتْ بِهِمَا الطَّرِيقُ أَضَاءَتْ لِلْآخَرِ عَصَاهُ فَمَشَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي ضَوْءِ عَصَاهُ حَتَّى بلغ أَهله۔[4]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ ایک رات اپنے کسی کام کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محو گفتگو رہے۔ پتہ ہی نہ چلا کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا اور جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو ان دونوں کے ہاتھ میں ایک چھوٹی لاٹھی تھی، دونوں کی لاٹھی نے روشنی پیدا کر دی حتیٰ کہ وہ اس کی روشنی میں چلنے لگے۔ لیکن جب دونوں کی راہوں کے الگ ہونے کا مقام آیا تو دوسرے کے لیے اس کی لاٹھی نے روشنی پیدا کر دی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی روشنی میں چلنے لگے۔ یہاں تک وہ اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔

اس حدیث کی تشریح میں لفظ کرامت تو نہیں ہے، البتہ کچھ الفاظ کی تشریح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہونی بات ہے، جو کہ ان سے ساتھ پیش آئی ہے۔ جیسے حدیث میں ذکر ہے کہ وہ دو صحابہ تھے، جن کے ناموں کا درست اعراب ذکر کیا اس کے بعد فرمایا کہ (ينقلبان) کہ وہ اپنے گھروں کی جانب لوٹتے ہیں، اور ان کے پاس (عُصَيَّةٌ) یعنی چھوٹی ٹہنیاں ہیں، اسی طرح (فأضاءت عصا أحدهما) کی وضاحت میں فرمایا کہ ان میں سے ایک کی ٹہنی روشن ہو جاتی ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے[5] البتہ وہاں وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ کے الفاظ درج ہیں۔

اس حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح میں دونوں افراد کے نام أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ اور عَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ ہیں، جب کہ (رَجُلَيْنِ) کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری مضمون کا خلاصہ ذکر ہے جب کہ مشکوٰۃ المصابیح میں تفصیل سے ذکر ہے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے موقع پر پیش آنے والے واقع کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میرے والد اس موقع پر جنگ سے پہلے مجھے مطلع کرتے ہیں کہ میں سب سے پہلے شہید ہوں گا اور پھر ہم نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شہد ہوئے۔[6] اس حدیث میں یہ واقعہ کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے شہید ہونے کا کہا اور پھر اللہ جل جلالہ کے حکم سے وہ شہید ہوئے، یہ ایک کرامت ہی ہے۔

اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کے کھانے میں برکت ہونا اور چند افراد کا کھانا کئی افراد کے لیے کافی ہو جانے کا ذکر بھی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت میں سے ہے:

«فَأَكَلَ وَأَكَلُوا فَجَعَلُوا لَا يَرْفَعُونَ لُقْمَةً إِلَّا رَبَتْ مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرَ مِنْهَا»[7]

اس موقع پر اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو ذکر کیا کہ

(إن أصحاب الصفة) الصفة: موضع مظلل من المسجد، وهم يبيتون فيها، كانوا أضياف الإسلام متوكلين على الله، لا مسكن لهم، ولا مال، ولا ولد، وكانوا سبعين، ويقلون حينًا ويكثرون حينًا[8]

اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم مسجد میں رہتے تھے، وہیں رات گزارتے تھے، اور اسلام کے مہمان تھے اور اللہ جل جلالہ پر توکل کرنے والے تھے، ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، ان کے پاس نہ مال تھا اور نہ ہی اولاد تھی، ان کی تعداد ستر کے آس پاس رہتی تھے۔ کبھی کم ہو جاتے اور کبھی زیادہ ہو جاتے تھے۔ اس قدر افراد کے لیے کھانے کا بندوبست اللہ جل جلالہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا، اس لیے بھی ان کے کھانوں میں برکت ہوتی تھے۔

اسی طرح حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس دوران کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ اس کھانے میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھانا منگوایا، خود کھایا اور ان کے ساتھ مہمانوں نے بھی کھایا، وہ لقمہ اٹھاتے تو اس کے نیچے سے اور زیادہ ہو جاتا تھا، ان کی اہلیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ کھانا اب پہلے سے بھی تین گنا زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود بھی کھایا، مہمانوں نے بھی کھایا اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی بھیجا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا۔[9]

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام روم کے علاقہ میں اپنے لشکر سے بچھڑتے ہیں تو واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

«وَعَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ أَنَّ سَفِينَةَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَخْطَأَ الْجَيْشَ بِأَرْضِ الرُّومِ أَوْ أُسِرَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا يَلْتَمِسُ الْجَيْشَ فَإِذَا هُوَ بِالْأَسَدِ. فَقَالَ: يَا أَبَا الْحَارِثِ أَنَا مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ مِنْ أَمْرِي كَيْتَ وَكَيْتَ فَأَقْبَلَ الْأَسَدُ لَهُ بَصْبَصَةٌ حَتَّى قَامَ إِلَى جَنْبِهِ كُلَّمَا سَمِعَ صَوْتًا أَهْوَى إِلَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ يَمْشِي إِلَى جَنْبِهِ حَتَّى بَلَغَ الْجَيْشَ ثُمَّ رَجَعَ الْأَسَدُ»[10]

ان کے پاس شیر آتا ہے، جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں، اور میں اپنے قافلہ / لشکر سے بچھڑ گیا ہوں، اس موقع پر شیر آپ رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرتا ہوا آپ کو لشکر سے ملا دیتا ہے۔

أَبِي الْجَوْزَاءِ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہلِ مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے، تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی، آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ «انْظُرُوا قبر النَّبِي صلى الله عليه وسلم فاجعلوا مِنْهُ كُوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ»[11] جاؤ... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر التجا کرو اور قبر سے آسمان کی جانب کوئی سوراخ کرو، تاکہ آسمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی جانب کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ (تاکہ آسمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھ کر روئے، اور بارش ہو)۔ تو ان پر خوب بارش ہوئی حتیٰ کہ گھاس اُگ آئی اونٹ اس قدر فربہ ہو گئے کہ وہ چربی سے پھول گئے اور اس سال کا نام **عام الفتق** یعنی (خوشحالی کا سال) رکھا گیا۔

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

«فهذا الاستشفاع وقبوله وظهور أثره كرامة من أم المؤمنين، وهي في الحقيقة معجزة للنبي صلى الله عليه وسلم»[12]

شفاعت کی یہ درخواست، اس کی قبولیت اور اس کے اثر کا ظہور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کرامت ہے، یہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔

سعید بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب واقعہ حرہ پیش آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تین دن تک نہ اذان دی گئی، نہ نماز باجماعت ادا ہوئی، اور نہ ہی سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر جا سکے کہ انہیں نماز کے اوقات معلوم ہو سکیں۔ اس دوران انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے آنے والی ایک مبہم سی آواز کے ذریعے نماز کا وقت معلوم ہو جاتا تھا۔[13]

ابو خلدہ رحمۃ اللہ علیہ[14] روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، کیا انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنی ہیں؟ انہوں نے کہا: انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی جس کی وجہ سے ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیا کرتا تھا، اور اس میں کستوری جیسی خوشبو آتی تھی۔[15]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور پھر آپ کی عمر، اولاد اور مال میں برکت کا مشاہدہ کرامت کے طور پر دنیا نے کیا۔ جیسا کہ شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«وقوله: (ودعا له النبي ﷺ) بالبركة في العمر والأولاد والأموال، فتجاوز عمره مئة

سنة، وبلغ أولاده الصلبي مئة نفس، ثلاث وسبعون منها ذكور، وسبعة وعشرون إناث. وأما البركة في الأموال فما ذكر في هذا الحديث، صريح في كونه خارقًا للعادة وكل ذلك كرامة لأنس رضي الله عنه»[16]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ان کے عمر، اولاد اور مال میں برکت کی دعا تھی، ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی، اولاد میں برکت یہ ہوئی کہ آپ کی اولاد میں ایک سو ہوئے، جن میں تہتر مذکر اور ستائیس مؤنث تھے، اور جہاں تک مال میں برکت کا تعلق ہے تو اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں واضح ہے کہ یہ غیر معمولی ہے اور یہ سب انس رضی اللہ عنہ کی کرامت ہی ہے۔

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رحمۃ اللہ علیہ پر جب زمین قبض کرنے کا جھوٹا مقدمہ مروان بن حکم کی عدالت میں کیا جاتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سن رکھی ہے[17] اور اس حدیث کو سننے کے بعد میں کسی زمین پر قبضہ کیوں کر کروں گا، اس پر سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے لیے بد دعا کی اور پھر وہ قبول ہوئی[18]۔

عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ **سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ** رضی اللہ عنہ سے متعلق **أَرْوَى بِنْتُ أَوْسٍ** نے مروان بن حکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ انہوں نے میری کچھ زمین حاصل کر لی ہے، سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سن لینے کے بعد بھی ان کی زمین کے کچھ حصہ پر قبضہ کروں گا؟ مروان نے کہا: تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "جس نے بالشت بھر زمین ناحق حاصل کی تو اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔" تب مروان نے کہا: اس کے بعد میں آپ رضی اللہ عنہ سے کوئی ثبوت نہیں مانگتا۔ سعید رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی: (اللهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِي أَرْضِهَا) اے اللہ! اگر وہ جھوٹی ہے تو اسے اندھی بنا دے اور اسے اس کی زمین میں موت دے۔ راوی بیان کرتے ہیں، جب وہ فوت ہوئی تو وہ اندھی ہو چکی تھی اور وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گری اور فوت ہو گئی۔ اور صحیح مسلم میں **مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ** سے اس کے ہم معنی نقل ہے کہ انہوں نے اسے بینائی سے محروم دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے دیکھا، اور وہ کہتی تھی: مجھے سعید رضی اللہ عنہ کی بد دعا لگ گئی اور وہ گھر کے اس کنویں کے پاس سے گزری جس کے متعلق اس نے ان (سعید رضی اللہ عنہ) سے مقدمہ کیا تھا، وہ اس میں گری اور وہی اس کی قبر بنی۔[19]

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روانہ کیا، اور ساریہ نامی شخص کو اس کا امیر مقرر کیا، اس اثنا میں کہ عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ زور سے کہنے لگے: ساریہ! پہاڑ کی طرف، پھر لشکر کی

طرف سے ایک قاصد آیا تو اس نے کہا: امیر المومنین! ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس نے ہمیں شکست سے دوچار کر دیا تھا مگر اچانک کسی نے زور سے آواز دی: ساریہ! پہاڑ کو نہ چھوڑو۔ ہم نے اپنی پشتیں پہاڑ کی جانب کر لیں تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔[20]

ان تمام روایات کو صاحبِ مشکوٰۃ نے اور پھر شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے کرامات کی مثالوں کے طور پر پیش ہوئی ہیں، اور یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں کہ:

1. یہ تمام کرامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل اللہ کے ساتھ پیش آئی ہیں۔
2. دوسرا یہ کہ یہ کرامات غیر اتفاقی طور پر پیش آئی ہیں، کسی نے بھی اپنی چاہت سے یا اپنی رضامندی سے انہیں ضاہر نہیں کیا، بلکہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے حکم سے ان کے ساتھ تعاون کے طور پر پیش آئی ہیں۔

اس لیے کسی بھی صورت کرامات کا انکار کرنے سے پہلے ان دو امور کا جائزہ ضروری ہے۔ ان کے بغیر نہ تو کرامات کو قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کا انکار کیا جا سکتا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کراماتِ اولیا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ کرامات برحق ہیں، اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں کہ:

«اتفق أهل الحق على جواز وقوع الكرامة عن الأولياء، ودل على وقوعها الكتاب والسنة، وتواترت الأخبار به عن الصحابة ومن بعدهم تواترًا معنويًا بحيث لا يتطرق إلى القدر المشترك بينهما شبهة عند الإنصاف وترك العناد، خصوصًا من بعض أكابر المشايخ الصوفية وساداتهم كسيدنا الشيخ محيي الدين عبد القادر، فإنه رضي الله عنه كان كثير الكرامات بحيث لا تعد ولا تحصى»[21]

تمام اہل حق-اولیاء سے کرامات کے جواز کے قائل ہیں۔ ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو بقدر طاقت بشری اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ذات وصفات کا عارف ہو، ہمیشہ طاعت بجالائے اور منع کردہ لذات اور شہوات سے روکنے والا ہو۔ تقوی اور اتباع میں بحسبِ مراتب کامل ہوتا ہے۔ وقوع کرامت یہ کتاب وسنت اور صحابہ کی اخبار تواتر سے ہے اور یہ تواتر معنوی ہے۔ انصاف اور ترک عناد کی صورت میں اس کے انکار کی مجال نہیں ہو سکتی۔ خصوصا اکابر مشائخ طریقت اور ان کے سادات مثلا شیخ عبد محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دیگر بزرگ لوگوں کی کرامتیں اس قدر ہیں کہ وہ ان گنت ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ- شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات کے بارے میں ان کے معاصر مشائخ کا قول نقل کرتے ہیں:

قال بعض المشايخ من أهل زمانه: كانت كراماته كالعقد المنضدة يتبع بعضها بعضًا، كانت تارة تظهر منه وتارة فيه، وكان واحد منا إذا أراد في مجلس واحد أشياء منها لعد، وقال الشيخ الإمام عبد الله اليافعي رحمة الله عليه: كراماته ثابتة بلا شبهة ومعلوم بالاتفاق، وبلغ مبلغ التواتر ما بلغ مثلها من أحد من شيوخ الآفاق۔[22]

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ان کے بزرگوں کا بیان ہے کہ آپ کی کرامات موتیوں کی لڑی کی طرح ہیں جو پے در پہ ہیں، اگر کوئی ہم سے اس بارے میں پوچھے تو ہم تو ایک ہی مجلس کی اس قدر کرامات بیان کر دیں۔ **الشیخ الإمام عبد الله اليافعي** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی کرامات میں کوئی شبہ اور شک نہیں ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ کرامات میں شیوخ آفاق کا آپ مقابلہ نہیں کر سکتے۔

شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ منکرین کرامات کے مذاہب میں سے معتزلہ کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ وہ کرامات کے منکر ہیں:

«وقد ذهب جماعة من المعتزلة ومن نحا نحوهم إلى إنكار الكرامة، وذهب بعضهم إلى أنه لا تصدر الكرامة من الولي قصدًا واختيارًا، وإنما تظهر من غير قصد واختيار وهذا باطل، وقيل: إن الكرامة لا تكون من جنس المعجزة كتكثير الطعام القليل، ونبع الماء من الأصابع»[23]

معتزلہ اور ان کے متبعین کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ولی کے قصد اور اختیار سے کرامت صادر نہیں ہوتی۔ اگر صادر ہو تو بھی بلا کسب ہوتی ہے، بعض نے کہا ہے کہ کرامت کا تعلق جنسِ معجزہ سے نہیں ہے مثلاً قلیل طعام کا کثیر ہونا، انگلیوں سے پانی جاری ہونا۔

شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرامت کا صدور بر حق ہے، اور یہ ولی اللہ سے سرزد ہوتی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے انبیا سے معجزہ ہوتا ہے، اسی طرح ولی اللہ سے کرامت ہوتی ہے۔ اس میں ولی کا قصد اور اختیار شامل ہے بھی اور نہیں بھی، ولی کو اللہ جل جلالہ کا قرب حاصل ہوتا ہے وہ جب چاہے باطنی کرامت سے ظاہری امور میں برکت کو ثابت کر سکتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات کی جانب اشارہ کرکے اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ ان کی کرامات بے شمار ہیں، جیسا کہ ان کے معاصر کہتے ہیں کہ ان کی کرامات کی ایک کثیر تعداد ہم ایک ہی مجلس میں گن سکتے ہیں۔

کرامت اور معجزے میں فرق

اہلِ حق نے کرامت اور معجزے میں فرق کو بھی واضح کیا ہے۔ معجزات انبیا کے خاص ہیں جب کہ کرامات اولیا کے ساتھ خاص ہیں، یہاں اگر یہ کہا جائے کہ انبیا سے کو امر خوارق عادت واقع ہو وہ معجزہ کہلاتا ہے، اور جو خوارق عادت امر کسی ولی سے صادر ہو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں امام ابو اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«المعجزات دلالات صدق الأنبياء ودليل النبوة لا يوجد مَعَ غَيْرِ النَّبِي ﷺ- الأولياء لَهُمْ كرامات شبه إجابة الدعاء فأما جنس مَا هُوَ معجزة للأنبياء فلا»[24]

معجزات نبی کی سچائی کے دلائل ہیں، اور نبوت کی دلیل نبی کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہو سکتی۔ اولیاء کے لیے کرامات ہوتی ہیں، جیسے قبولیتِ دعا، اس میں ہر وہ چیز شامل نہیں ہے جو انبیاء کرام کے معجزات میں شامل نہیں ہے۔

اسی طرح امام ابو بکر بن فورک[25] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

«المعجزات دلالات الصدق ثُمَّ إن ادعى صاحبها النبوة فالمعجزات تَدُل عَلَى صدقه فِي مقالته، وإن أشار صاحبها إِلَى الولاية المعجزة عَلَى صدقه فِي حاله، فتسمى كرامة ولا تسمى معجزة»[26]

معجزات -صدق کی دلالت ہیں، پھر وہ شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ معجزات اس کے قول کی سچائی کی دلیل ہیں، اور اگر دعویٰ کرنے والا ولایت کی طرف اشارہ کرے اور یہ معجزہ اس کی سچائی پر دلالت کرے تو اس کو کرامت کہیں گے، نہ کہ معجزہ۔

باب لیلۃ القدر کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبادات اور دیگر تمام مناجات وغیرہ کرامات میں سے ہی ہیں، کیوں کہ یہ اشیا بھی اللہ کی رضا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی:

الذكر والعبادة والمناجات والخضوع والخشوع والذوق والحضور والإخلاص، وهذه الأشياء كرامات بلا شبهة[27]

ذکر، عبادت، یکجہتی، تواضع، تعظیم، ذوق، حاضری اور خلوص اور یہ چیزیں بلا شبہ کرامات (قابل احترام چیزیں) ہیں۔

رسالہ قشیریہ میں علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد ابو القاسم سے نقل کرتے ہیں کہ قَالَ الأستاذ أَبُو القاسم: ظهور الكرامات عَلَى الأولياء جائز[28]، اولیاللہ سے کرامات کا ظہور بالکل درست ہے۔

اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ کرامات کا ظہور صاحبِ کرامت کی صداقت پر دلالت کرتا ہے:

ظهور الكرامات علامة صدق من ظهرت عَلَيْهِ فِي أحواله[29]

کرامات کا ظاہر ہونا صاحبِ کرامت کے سچے اور برحق ہونے کی دلالت ہے۔

اسی حصہ میں کہتے ہیں کہ لوگوں نے کرامات اور معجزات کے درمیان فرق واضح کیا ہے، اس بارے میں ابو اسحاق اسفراینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ لوگوں نے کرامت اور معجزہ میں فرق پر گفت گو فرمائی ہے:

المعجزات دلالات صدق الأنبياء ودليل النبوة لا يوجد مَعَ غَيْر النَّبِي صلى الله عليه وسلم--- وَكَانَ يَقُول: الأولياء لَهُمْ كرامات شبه إجابة الدعاء[30]

معجزات انبیا کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں، اور معجزہ غیر نبی سے صادر نہیں ہو سکتا---اسی طرح کرامت اولیا سے ثابت ہونا بر حق ہے، یہ دعا کی قبولیت کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔

خلاصۃ البحث

لغوی اعتبار سے کرامت کا لفظ عزت اور شرافت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، البتہ اصطلاح میں لفظِ کرامت اور معجزہ غیر معمولی اور خلافِ عادت سرزد ہونے والے کام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اگر یہ کام کسی نبی سے ہو تو اس کو معجزہ اور اگر کسی ولی اللہ سے ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ رسالہ قشیریہ کے مطابق اولیا اللہ سے کرامت کا ثبوت بر حق ہے، یہی کرامت بسا اوقات ان اولیا اللہ کی صداقت کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ کرامت دراصل انسان پر طاری ہونے والے حال کی نشانی ہوتی ہے، جیسے حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ فرماتے ہیں:

«وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مُسَاءَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ " »[31]

ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جو شخص میرے کسی پسندیدہ شخص سے دشمنی رکھے تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے، اور میرا بندا جن جن عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے وہ عبادت مجھے بہت محبوب ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے عطا کر دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا ہوں، میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے کرنے میں مجھے کبھی اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کسی مومن کی جان قبض کرتے وقت تردد ہوتا ہے وہ موت کو ناگوار جانتا ہے اور میں اس کی ایذا کو ناگوار جانتا ہوں، حالانکہ وہ (موت) تو اسے ضرور آنی ہے۔"

یہ وہ حالت ہے جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب انسان محنت کر کے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا قرب حاصل کرتا

ہے اور اللہ جل جلالہ پھر اس کے لیے، اس کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ اللہ جل جلالہ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اللہ جل جلالہ اسے عطا کر دیتا ہے، اگر وہ اللہ جل جلالہ سے پناہ طلب کرتا ہے تو اللہ جل جلالہ اسے پناہ دے دیتا ہے۔ جب انسان پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو تب ہی کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے کسی کرامت کا ظہور اس بات کی نشاندہی مانی جاتی ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو رہی ہے وہ اپنے صوفیانہ اَحوال میں حق پر ہے۔ اس میدان میں کسی جھوٹے شخص سے کسی بھی قسم کی کرامت کا ظہور ممکن نہیں ہے۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ جل جلالہ سچے اور جھوٹے کی پہچان کے لیے سچے شخص سے معقول اور جھوٹ سے پاک ایسے امر کو سرزد کرواتا ہے جو کہ جھوٹے سے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ یہ کرامت ایسا فعل ہو جو دنیا میں عام عادت کے خلاف ہو اور ایسے شخص سے صادر ہو جو ولایت کے ساتھ موصوف ہو تاکہ اس کی حالت سے اس کی تصدیق ہو سکے۔

معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ نبی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے عمداً اور ارادۃً ظاہر ہوتا ہے، تاکہ نبوت کے دعوے کی تصدیق اور مخالفین کے شبہات کا ازالہ ہو۔ اس کے برعکس کرامت ایک ایسا غیر معمولی واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے سے بغیر اس کی خواہش یا ارادے کے ظاہر فرماتا ہے، اور اس میں صاحبِ کرامت کا کوئی دعویٰ یا چیلنج شامل نہیں ہوتا۔ کرامت کا ظہور دلیل یا اظہار کے لیے ضروری نہیں، بلکہ یہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے اپنے اولیاء کی عزت افزائی کے طور پر ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کے زمانے میں کرامات کا بیان دلائل کے ساتھ علم دین کی کتابوں میں اس لیے کیا گیا کہ ان کی صداقت اور وقار کو ثابت کیا جا سکے، اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا جا سکے۔ دیکھنے کے بعد کرامت کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی، اور اصل فاعل اللہ جل جلالہ ہی ہے جو جسے چاہے کامیابی عطا فرماتا ہے۔

حوالہ جات

[1] القشيري، عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك (المتوفى: 465هـ)، **الرسالة القشيرية**، دار المعارف، القاهرة، عدد الأجزاء: 2، تاريخ النشر بالشاملة: 8 ذو الحجة 1431، جزء2، صفحه 520۔

[2] الحجرات: 13

[3] النمل: 40

[4] «مشكاة المصابيح» جزء 3صفحه1674، حديث نمبر 5944

[5] «صحيح البخاري» جزء 1صفحه 177، حديث نمبر 453۔

[6] «مشكاة المصابيح» جزء 3صفحه1674، حديث نمبر 5945

[7] «مشكاة المصابيح» جزء 3صفحه1674، حديث نمبر 5945۔/«صحيح البخاري» ، باب: قَوْلِ الضَّيْفِ لِصَاحِبِهِ: لَا آكُلُ حَتَّى تَأْكُلَ، جزء 5، صفحه نمبر 2275، حديث نمبر 5790۔

[8] «مشكاة المصابيح» جزء 3صفحه 1675، حديث 5946۔

[9] «مشكاة المصابيح» جزء 3صفحه 1675، حديث 5946۔

[10] **«مشكاة المصابيح»** جزء 3، صفحه نمبر 1676، حديث نمبر 5949۔/**«لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح»** جزء 9، صفحه نمبر 519۔

[11] **«مشكاة المصابيح»** جزء3، صفحه نمبر 1676، حديث نمبر5950۔/ **«لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح»** جزء9، صفحه نمبر 519۔

[12] **«لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح»** جزء 9صفحه 520

[13] **«مشكاة المصابيح»** جزء 3 صفحه نمبر 1676، حديث نمبر 5951۔/أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل بن بَهرام بن عبد الصمد الدارمي، التميمي السمرقندي (ت 255 هـ)، **مسند الدارمي المعروف بـ (سنن الدارمي)**، الناشر: دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى،1412 هـ - 2000 م، عدد الأجزاء: 4، تاريخ النشر بالشاملة: 22محرم 1433، جزء 1، صفحه نمبر 227۔

[14] آپ کا نام أبو خلدة خالد بن دينار التميمي السعدي البصري ہے، آپ درزی کا کام کرتے تھے۔ آپ کا شمار ثقہ تابعین میں ہوتا ہے۔ خلدہ۔خ کی زبر کے ساتھ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے **«لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح»** جزء10، صفحہ نمبر81۔

[15] **«مشكاة المصابيح»** جزء 3 صفحه نمبر 1676، حديث نمبر 5952۔

[16] **«مشكاة المصابيح»** جزء 3 صفحه نمبر 1676، حديث نمبر 5952۔

[17] » مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ» «(صحيح البخاري:(1168 3) «

[18] » اللهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَأَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِي أَرْضِهَا، قَالَ: فَمَا مَاتَتْ حَتَّى ذَهَبَ بَصَرُهَا، وَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِي فِي أَرْضِهَا إِذْ وَقَعَتْ فِي حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ« »لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح:(522 /9) «

[19] «مشكاة المصابيح» جزء3صفحه 1677 حديث 5953

[20] «مشكاة المصابيح» جزء3صفحه 1677 حديث 5954

[21] «لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح» جزء9، صفحه نمبر 513۔

[22] «لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح» ،باب الكرامات، جزء 9، صفحه نمبر 513۔

[23] «لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح» جزء 9، صفحه نمبر 514، حديث نمبر 5943۔

[24] عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك القشيري (ت 465هـ)، **الرسالة القشيرية**، الناشر: دار المعارف، القاهرة، عدد الأجزاء:2، جزء2، صفحہ 520۔

[25] آپ کا مکمل نام ابو بکر محمد بن الحسن بن فورک الانصاری الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ تاریخ اور سیر کی کتابوں میں سنہ ولادت کی کہیں کوئی تصریح نہیں ملتی، البتہ وفات کی نسبت سے اصفہانی اور اصبہانی نسبت سے مشہور ہیں۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ عراق میں پیدا ہوئے۔ زیادہ عرصہ عراق میں مقیم رہ کر حصول علم میں مشغول رہے۔ فقہ کی تعلیم فقہائے شافعیہ سے حاصل کی، اور علم کلام کی تعلیم امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد امام ابو الحسن الباہلی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ انتہائی نیک اور زاہد طبیعت کے مالک تھے۔ (سبکی، تاج الدین عبد الوہاب بن تقی الدین، **طبقات الشافعیہ الکبری**، للطباعۃ والنشر والتوزیع الطبعۃ الثانیہ، 1431ھ،، جزء5، صفحہ نمبر 155۔) تفصیل کے لیے دیکھیے: تحقیقی مجلہ المھدی، "**ابو بکر ابن فورک شافعی اشعری" حیات و خدمات کے تناظر میں ایک جائزہ**" ڈاکٹر زبیر طیب، لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، آزاد جموں کشمیر، جلد3، شمارہ2، جولائی-دسمبر2022،

[26] «**الرسالة القشيرية**» جزء 2، صفحه 520۔

[27] «**لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح**» ، باب ليلة القدر ، جزء 4، صفحه نمبر 502۔

[28] «**الرسالة القشيرية**» جزء 2،صفحه نمبر 520۔

[29] «الرسالة القشيرية» جزء 2،صفحه نمبر 520۔

[30] «الرسالة القشيرية» جزء 2،صفحه نمبر 520۔

[31] «**مشكاة المصابيح**» جزء2، صفحه نمبر699، حديث نمبر 2266۔/ «**صحيح البخاري**»، بَاب: التَّوَاضُعِ، جزء 5، صفحه نمبر 2385، حديث نمبر 6137۔/ «**لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح**» جزء 5، صفحه نمبر 35، حديث نمبر 2266۔